ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد عثمان بٹ ۞

مرزا خلیل احمد بیگ کی لسانی خدمات

The linguistic contributions of Mirza Khalil Ahmad Baig

By *Muhammad Usman Butt, Principal, Govt. High School Alhar, Pasrur, Sialkot.*

ABSTRACT

This article presents the linguistic contributions of the renowned Urdu linguist Prof. Dr. Mirza Khalil Ahmad Baig who is the author of more than twenty books. He is one of the major authors who contributed towards Urdu linguistics, postmodern theory and stylistics. According to Mr. Baig, the beginning of *Khadi Boli* is the actual beginning of Urdu and the linguistic theory regarding the beginning and evolution of Urdu presented by Dr. Masud Husain Khan is the most acceptable theory in the history of Urdu language. His thoughts reflect the sociolinguistic and psycholinguistic perspectives of Hindi and Urdu. He is one of the leading figures in the field of Urdu linguistics whose approach is purely scientific and his research and analysis is based on the principles of modern linguistics. *Zaban*, *Usloob aur Usloobiyat*, *Urdu ki Lisani Tashkeel*, *Tanqeed aur Usloobiyati Tanqeed*, *Ek Bhasha Jo Mustarad Kar Di Gai*, *Masud Husain Khan: Ahwal-o-Asar* and *Lisani Masail-o-Mubahis* are some of his marvelous books on latest issues and debates in Urdu liguistics.

Keywords: Khadi Boli, Urdu, Hindi, Phonetic Study, Linguistic Theory, Debates, Stylistics

مرزا خلیل احمد بیگ یکم جنوری ۱۹۴۵ء[۱] کو بھارت کی ریاست اتر پردیش کے شہر گورکھ پور میں پیدا ہوئے۔ وہ اُردو کے ممتاز ادیب، نقاد اور ماہرِ لسانیات ہیں۔ اُنھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم گورکھ پور میں حاصل کی

۞ پرنسپل، گورنمنٹ ہائی اسکول، الھڑ، پسرور، سیال کوٹ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور ۱۹۶۴ء میں علی گڑھ چلے آئے جہاں اُنھوں نے مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے بی اے اور ایم اے انگریزی کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۶۸ء میں مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ میں لسانیات کا شعبہ قایم ہوا جس کے بانی اور پہلے صدر پروفیسر ڈاکٹر مسعود حسین خاں مقرر ہوئے جن کی تشویق پر مرزا خلیل احمد بیگ نے لسانیات میں ایم اے کا امتحان بھی پاس کیا۔ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے اُنھوں نے پروفیسر مسعود حسین خاں کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اُن کی تحقیق کا موضوع *A Historical Grammar of Urdu of North India* تھا۔ ۱۹۷۳ء میں اُنھوں نے مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے لسانیات کے لیکچرار کی حیثیت سے اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا جہاں ۲۰۰۳ء میں وہ پروفیسر تعینات ہوئے اور وہاں اپنی ملازمت کے آخری پانچ سال (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۶ء) شعبہ لسانیات کے صدر بھی رہے۔ علاوہ ازیں وہ جامعہ اُردو، علی گڑھ کے اعزازی خازن اور اُردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر، سولن، ہماچل پردیش کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی تعینات رہے۔ ۱۹۹۴ء میں اُنھوں نے یونی ورسٹی آف ناکس وِل، امریکا سے لسانیات کی اعلیٰ تربیت حاصل کی۔ اُنھوں نے ایک سال (۲۰۰۹ء تا ۲۰۱۰ء) کنگ خالد یونی ورسٹی، ابہا، سعودی عرب میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ وہ جامعہ اُردو، علی گڑھ کے علمی و تحقیقی مجلہ ادیب کے مدیر بھی رہے۔ اُن کی اُردو تصانیف میں اُردو سابقے اور لاحقے (۱۹۷۹ء)، زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات (۱۹۸۳ء)، اُردو کی لسانی تشکیل (۱۹۸۵ء)، آیئے اُردو سیکھیں (۱۹۸۷ء)، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی (۱۹۸۹ء)، نذرِ مسعود (مرتبہ) (۱۹۸۹ء)، اُردو زبان کی تاریخ (مرتبہ) (۱۹۹۵ء)، لسانی تناظر (۱۹۹۷ء)، پریم چند: شخصیت اور فن (مرتبہ) (۱۹۹۷ء)، تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید (۲۰۰۵ء)، ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی (۲۰۰۷ء)، ادبی تنقید کے لسانی مضمرات (۲۰۱۲ء)، اُسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجزیے (۲۰۱۴ء)، مسعود حسین خاں: احوال و آثار (۲۰۱۵ء)، مکاتیبِ مسعود (مرتبہ) (۲۰۱۷ء)، لسانی مسائل و مباحث (۲۰۱۷ء) شامل ہیں جبکہ اُن کی انگریزی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ *Urdu Grammar: History and structure* (۱۹۸۸ء)

۲۔ *Psycholinguistics and Language Acquisition* (۱۹۹۱ء)

۳۔ *Sociolinguistic Perspective of Hindi and Urdu in India* (۱۹۹۶ء)

اُردو زبان و ادب میں اُسلوبیاتی تنقید اور لسانیات کے حوالے سے لکھنے والوں میں مرزا خلیل احمد بیگ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ لسانیات کے جدید تصورات سے اُن کی آگاہی اُن کی لسانی تحریروں میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے جو اُن کی لسانیات کے میدان میں تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اُنھیں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اُن کی لسانی خدمات کے باعث اتر پردیش اُردو اکادمی، بہار اُردو اکادمی، میر اکادمی، لکھنؤ اور نقوش ایوارڈ (پاکستان) جیسے اعزازت سے نوازا گیا۔

زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے اُسلوبیاتی مضامین و مقالہ جات کے مجموعے پر مشتمل کتاب ۱۹۸۳ء میں منظرِ عام پر آئی جسے ادارہ زبان و اُسلوب، علی گڑھ نے شائع کیا۔ یہ کتاب اُن کے سات اُسلوبیاتی مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۳ء کے دوران تحریر کیے گئے۔ اُن میں ادبی مطالعہ و تنقید اور لسانیات، شعری اُسلوب کا صوتیاتی مطالعہ (دو اُردو نظمیں)، رشید احمد صدیقی کا اُسلوب (مرکبات عطفی کا مطالعہ و تجزیہ)، اختر انصاری کی طویل نظم وقت کی بانھوں میں (ایک اُسلوبیاتی مطالعہ)، فیض کی شعری اُسلوبیات (تسلسل بیان اور معنیاتی وحدت)، اُسلوبیات (ادبی مطالعہ و تنقید کی ایک نئی جہت) اور اُسلوب (تعریف، توضیح اور تشکیل) شامل ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک ''اُسلوبیات، اطلاقی لسانیات کی وہ اہم شاخ ہے جس میں ادبی زبان اور اُسلوب کا مطالعہ و تجزیہ خالص لسانیاتی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے۔''(۲) مذکورہ لسانی مضامین میں شامل مباحث جدید لسانیات کی بنیاد پر استوار کیے گئے ہیں۔

ادبی مطالعہ و تنقید اور لسانیات کے ضمن میں وہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ادبی مطالعہ و تنقید اور لسانیات کے مابین خلیج حائل ہونے کی بنیادی وجہ دو انتہا پسندانہ نظریات ہیں۔ پہلے نظریے کے مطابق ادبی مطالعہ اور تنقید کے لیے زبان کا حوالہ ضروری نہیں جبکہ دوسرے نظریے کے مطابق علمِ لسانیات کے بغیر ادبی مطالعہ و تنقید ممکن نہیں۔ یہ خلیج بیسویں صدی میں جدید لسانیات کی بدولت مزید گہری ہوئی جس کی بنیادی وجہ لسانیات میں سائنسی اور معروضی طرزِ عمل پر سختی سے عمل پیرا ہونا تھا۔ اُسلوبیات کے میدان میں بیسویں صدی کے نصف اول کے بعد سے لسانیات کا باقاعدہ اثر دکھائی پڑتا ہے جس کے آغاز میں ادبی انداز ہی نمایاں رہا اور اُس میں توضیحی مطالعہ جات سے ہی اُسلوبیاتی مطالعہ جات سامنے آنے لگے۔ اِس معاملے میں تحریر کو بنیاد بنایا گیا۔ شعری اُسلوب پر لسانیاتی حوالے سے کام نثری اُسلوب کی نسبت زیادہ ہوا ہے۔ اُردو میں اُسلوبیاتی مطالعے میں لسانیات کے علم کو شامل کرنے والوں میں مسعود حسین خاں، گوپی چند نارنگ، مغنی تبسم، شمس الرحمٰن فارقی، علی رفاد فتیحی اور مرزا خلیل احمد بیگ کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ شعری اُسلوب کے ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ نے لسانیاتی مطالعہ کو شامل کرنے کے حوالے سے مسعود حسین خاں کے دو مقالہ جات بعنوان مطالعہ شعر: صوتیاتی نقطہ نظر سے اور کلامِ غالب کے قوافی و ردیف کا صوتی آہنگ، مغنی تبسم کے دو مقالہ جات غالب کی شاعری: بازیچہ اطفال اور اصوات اور شاعری، شمس الرحمٰن فاروقی کے ایک مقالے مطالعہ اُسلوب کا ایک سبق اور اپنا ایک مقالہ شعری اُسلوب کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

صوتیاتی مطالعہ: دو اُردو نظمیں کا ذکر کیا ہے جبکہ نثری اُسلوب کے حوالے سے لسانیاتی نقطہ نظر کو شامل کرنے کے ضمن میں اُنھوں نے مسعود حسین خاں کے ایک مقالے غالب کے خطوط کی لسانی اہمیت، گوپی چند نارنگ کے مقالے ذاکر صاحب کی نثر اور اپنے ایک مقالے رشید احمد صدیقی کا اُسلوب: مرکبات عطفی کا اُسلوبیاتی تجزیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

''شعری اُسلوب کا صوتیاتی مطالعہ'': دو اُردو نظمیں کے تناظر میں مرزا صاحب کا خیال ہے کہ شعری اُسلوب میں لسانیاتی مطالعہ شامل کرنے والوں میں اُن ماہرین کے نام نمایاں ہیں جنھیں ادب سے خاصی دل چسپی تھی۔ اُنھوں نے اِس ضمن میں ۱۹۵۳ء کے دوران انڈیانا یونی ورسٹی، امریکا میں زبان و ادب کے موضوع پر منعقد ہونے والے سیمینار کو پہلی منظم کوشش قرار دیا ہے۔(۳) اُس سیمینار میں جو مقالہ جات پیش کیے گئے اُن میں صوتیاتی حوالوں سے شاعری کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اِسی حوالے سے ۱۹۵۸ء میں انڈیانا یونی ورسٹی، امریکا میں ہی اُسلوب کے موضوع پر منعقد ہونے والی کانفرنس کو اُنھوں نے شاعری کو لسانیاتی نقطہ نظر سے سمجھنے کی دوسری اہم کوشش قرار دیا ہے۔(۴) اُس کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالہ جات میں شعری اُسلوب کے مختلف لسانی پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے جن میں صوتی، صرفی، نحوی، معنیاتی اور بحور اور اوزان جیسے پہلو نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ اپنے اِس مقالے میں مرزا خلیل احمد بیگ نے فیضؔ اور اقبالؔ کی ایک ایک نظم کا صوتیاتی نقطہ نظر سے موازنہ پیش کیا ہے اور دونوں کی نظموں کا عنوان تنہائی ہے۔ اِس مقصد کے لیے اُنھوں نے ڈیل ایچ ہائمز کے پیش کردہ مندرجہ ذیل تین اصولوں سے رہنمائی لی ہے:

۱۔ صوتی سطح پر اُس لفظ کے عناصر ترکیبی میں ایسی تمام آوازیں شامل ہوتی ہیں جن کا استعمال اُس نظم میں بالمقابل دوسری آوازوں کے کثرت سے ہوتا ہے یا جو اُس نظم کی غالب آوازیں (dominant sounds) ہوتی ہیں۔

۲۔ معنیاتی سطح پر یہ نقطہ نظم کے نفسِ مضمون یا اُس کے بنیادی خیال اور مفہوم و تاثر کی ترجمانی کرتا ہے۔

۳۔ موقع محل کے لحاظ سے اُس لفظ کا اندراج نظم میں کسی ایسی جگہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُس کا تاثر کمالِ عروج کو پہنچ جاتا ہے۔(۵)

دونوں نظموں کا صوتیاتی تجزیہ کرتے ہوئے بیگ صاحب نے مصوتوں کو مختصر اور طویل کے ذیل میں بیان کیا ہے اور ایسا کرتے ہوئے اُنھوں نے مصوتوں کی آواز، اُن کی تعداد اور الفاظ کی فہرست پیش کی ہے۔ پھر اُنھوں نے مصمتوں کو بندشی، انفی، پہلوی، ارتعاشی، تھیک دار، صفیری، نیم مصوتے، دوہرے مصوتے، انفیائے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مصوتے، کثیر الاستعمال مصوتے اور کثیر الاستعمال مصمتوں کی ذیل میں بیان کیا ہے جس میں پیش کش کی ترتیب وہی پہلے والی ہی ہے۔ ایسا کرنے کے بعد اُنھوں نے نظم کا مکمل صوتیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ صوتیاتی تجزیے کے مقصد کے ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> صوتیاتی تجزیے کا مقصد آوازوں کی محض گنتی کرنا یا اُن کے اعداد و شمار کی فہرست مرتب کرنا نہیں ہے بلکہ اُن آوازوں کے صوتی آہنگ سے ایسے نتائج مرتب کرنا مقصود ہوتا ہے جن کی روشنی میں ہم کسی فن پارے یا فن کار کے اُسلوب کی سائنسی توجیہہ کر سکیں اور اُس کے بارے میں کوئی معروضی رائے دے سکیں۔(۶)

کسی فن پارے کا اُسلوبیاتی تجزیہ زبان کی مختلف سطحوں پر کیا جا سکتا ہے جن میں عموماً صوتیاتی، لفظیاتی، نحویاتی اور معنیاتی سطحیں شامل ہوتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اُسلوبیاتی تجزیہ کسی فن کار یا فن پارے کو بیک وقت اِن مذکورہ چاروں سطحوں پر پرکھے بلکہ اِن میں سے کسی ایک سطح کو شامل کرنا بھی اُسلوبیاتی تجزیے کے زمرے میں آتا ہے۔ اُسلوبیاتی تجزیہ بنیادی طور پر فن پارے کی لسانی شناخت کا سبب بنتا ہے اور فن پارے یا فن کار کے اُن لسانی خصائص کی طرف نشان دہی کرتا ہے جو اُس کے لیے لسانی دستخط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِنھی لسانی خصوصیات کی بنیاد پر کسی فن پارے کی مخصوص شناخت قایم ہو پاتی ہے اور فن کار کا اندازِ بیان دوسروں سے منفرد ٹھہرتا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی رائے اِس ضمن میں ملاحظہ ہو:

> اُسلوبیاتی تجزیے میں اُن لسانی امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کسی فن پارے، مصنف، شاعر، ہیئت، صنف یا عہد کی شناخت ممکن ہو۔ یہ امتیازات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں؛ (۱) صوتیاتی (آوازوں کے نظام سے جو امتیازات قایم ہوتے ہیں، ردیف و قوافی کی خصوصیات، معکوسیت، ہکاریت یا غنیت کے امتیازات یا مصمتوں اور مصوتوں کا تناسب وغیرہ) (۲) لفظیاتی (خاص نوع کے الفاظ کا اضافی تواتر، اسما، اسمائے صفت، افعال وغیرہ کا تواتر اور تناسب، تراکیب وغیرہ) (۳) نحویاتی (کلمے کی اقسام میں سے کسی کا خصوصی استعمال، کلمے میں لفظوں کا دربست وغیرہ) (۴) بدیعی (Rhetorical) بدیع و بیان کی امتیازی شکلیں، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل، علامت، امیجری وغیرہ (۵) عروضی امتیازات (اوزان، بحروں زحافات وغیرہ کا خصوصی استعمال اور امتیازات)۔(۷)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

رشید احمد صدیقی کا اُسلوب: مرکبات عطفی کا مطالعہ و تجزیہ کے تناظر میں مرزا خلیل احمد بیگ نے صدیقی صاحب کے نثری اُسلوب کا لسانیاتی تجزیہ پیش کیا ہے اور اِس ضمن میں وہ مرکبات عطفی کے کثرت سے استعمال کو اُن کے اُسلوب کی نمایاں خصوصیت قرار دیتے ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک ''رشید احمد صدیقی نے جس کثرت سے عطفی و ترادفی مرکبات استعمال کیے ہیں اُردو کے کسی دوسرے ادیب نے آج تک استعمال نہیں کیے۔''(۸) اُنھوں نے رشید احمد صدیقی کی سات کتابوں سے اِس ضمن میں مثالیں پیش کی ہیں جن میں ''طنزیات و مضحکات''، ''مضامینِ رشید''، ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''ہم نفسانِ رفتہ''، ''آشفتہ بیانی میری''، ''ذاکر صاحب'' اور ''غالب کی شخصیت اور شاعری'' شامل ہیں۔ عطفی و ترادفی مرکبات کا استعمال مغربی مصنّفین کے اُسلوب کی بھی نمایاں خصوصیت رہی ہے جن میں ولیم شیکسپیئر اور مونتین کی طرف بیگ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی کے اُسلوب کو اُنھوں نے صوتیاتی، صرفی و نحوی اور معنیاتی سطحوں پر تجزیاتی طور پر بیان کیا ہے۔ اِس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> پروفیسر رشید احمد صدیقی کے نثری اُسلوب میں مرکباتِ عطفی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اُن مرکبات کی خصوصیات کا صحیح اندازہ ہمیں اُس وقت ہوتا ہے جب ہم اُن کا تجزیہ لسانیات کی مختلف سطحوں پر کرتے ہیں، صوتی، صرفی، نحوی اور معنیاتی نقطہ نظر سے اُن کا مطالعہ و تجزیہ انتہائی دل چسپ ہے۔ اِس اُسلوب کو ہم بجا طور پر رشید احمد صدیقی کا ایک مخصوص و منفرد لسانی اُسلوب کہہ سکتے ہیں۔(۹)

اپنے مقالے ''اختر انصاری کی طویل نظم وقت کی بانھوں میں: ایک اُسلوبیاتی مطالعہ'' کے تناظر میں مرزا خلیل احمد بیگ نے انصاری صاحب کی مذکورہ نظم کا صوتیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے اِس نظم کا صوتیاتی تجزیہ کرنے کے لیے گیارہ نکاتی فہرست مرتب کی ہے جس میں نظم کے کل بند، مصوتوں پر ختم ہونے والے بند، مصمتوں پر ختم ہونے والے بند، ایسے بند جن کے قوافی مصوتوں پر ختم ہوتے ہیں، ایسے قوافی جن کے بند مصمتوں پر ختم ہوتے ہیں، ایسے بند جن میں ردیفیں پائی جاتی ہیں، ایسے بند جن کی ردیفیں مصوتوں پر ختم ہوتی ہیں۔ ایسے بند جن کی ردیفیں مصمتوں پر ختم ہوتی ہیں، نظم کے کل مصرعوں کی تعداد، مصوتوں پر ختم ہونے والے مصرعے، اور مصمتوں پر ختم ہونے والے مصرعے شامل ہیں۔ اِس نظم کا صوتیاتی تجزیہ پیش کرتے ہوئے مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> زیرِ تجزیہ نظم کے زیادہ تر قافیوں، ردیفوں، مصرعوں اور بندوں کا مصوتوں پر ختم ہونا محض ایک اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ ایک بہت معنی خیز (significant) رجحان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔قوافی و ردیف کے اختتام پر مصوتوں کے بہ کثرت وقوع (occurence)،
اُن کی تکرار (repetition) اور تکرر (frequency) کو ہم اِس نظم کی ایک اہم
اُسلوبیاتی خصوصیت (stylistic feature) قرار دے سکتے ہیں۔(۱۰)

''فیض کی شعری اُسلوبیات'': تسلسل بیان اور معنیاتی وحدت کے تناظر میں بات کرتے ہوئے مرزا خلیل احمد بیگ نے فیض کی غزلوں کے اشعار میں شامل مصرعوں کے مابین باہمی ربط کا تجزیہ تین مختلف سطحوں پر پیش کیا ہے جن میں قواعدی، لغوی اور معنیاتی سطحیں شامل ہیں۔ اُنھوں نے فیض کی شعری اُسلوبیات کے ضمن میں قواعدی ربط کی سطح پر ضمیر شخصی، ضمیر اشارہ، ضمیر موصولہ، فاعل و فعل، فعل و فاعل، تمیز (متعلق فعل)، اور حروف عطفی جیسی اشکال کو اُن کی اُسلوبیاتی خصوصیات قرار دیا ہے۔لغوی ربط کے ضمن میں اسم کی تکرار، ضمیر کی تکرار، فعل کی تکرار، تمیز کی تکرار، اور حرف کی تکرار جیسے معاملات کو اُن کی اُسلوبیاتی خصوصیت کے طور پر پیش کیا ہے۔معنیاتی ربط کی سطح پر اُنھوں نے تضاد، تناسب، تصریف اور اشتقاق جیسی اشکال کی عکاسی کرتے ہوئے فیض کے شعری اُسلوب کو بیان کیا ہے۔ یہ مقالہ فیض کے شعری اُسلوب کا مکمل اُسلوبیاتی تجزیہ کرنے کی بجائے محض تسلسل بیان اور معنیاتی وحدت کے تناظر میں قواعدی، لغوی اور معنیاتی تین سطحوں پر پیش کرتا ہے جبکہ فیض کی شعری اُسلوبیات کا احاطہ ایک مختصر مقالے کے ذریعے ممکن نہیں۔

''اُسلوبیات: ادبی مطالعہ وتنقید'' کی ایک نئی جہت اور اُسلوب: تعریف، توضیح اور تشکیل کے تناظر میں مرزا خلیل احمد بیگ نے اُسلوب کے بنیادی مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔ اُن کے خیال میں اُسلوبیات، اُسلوب کے مطالعہ کا علم ہے جس میں ادبی زبان کا سائنسی، معروضی، منظم اور باضابطہ مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے۔ادب میں زبان کا استعمال یا زبان کی ادبی کارپردازی (literary functions) کا مطالعہ بھی اُسلوبیات کا مرہونِ منت ہے۔ ادب پر لسانیات کا اطلاق بھی اُسلوبیات کے باعث ممکن ہوتا ہے۔اُسلوبیات میں ادب کا مطالعہ لسانیاتی نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے یا اُسلوبیات ادب کے لسانیاتی مطالعے کا نام ہے۔(۱۱) اُنھوں نے ادبی فن پارے کے اُسلوبیاتی تجزیے کے مندرجہ ذیل تین مراحل بیان کیے ہیں:

۱۔ لسانی مواد کی توضیح اور تجزیہ
۲۔ اُسلوبیاتی خصائص کی شناخت اور دریافت
۳۔ اُن خصائص کی توجیہہ اور نتائج کا استنباط(۱۲)

''اُردو کی لسانی تشکیل'' کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے آٹھ لسانی مضامین پر مشتمل کتاب ۱۹۸۵ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں سامنے آئی جسے اُنھوں نے خود علی گڑھ سے شائع کیا۔ اِس کتاب کا جدید ایڈیشن (بعدِ ترمیم و اضافہ) پاکستان سے ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی نے ۲۰۱۵ء میں شائع کیا جبکہ انڈیا سے اِس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جنھیں ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے شائع کیا۔ اِس کا چوتھا ایڈیشن ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔ اپنی اِس کتاب کو اُنھوں نے کل سات حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں بارہ مضامین شامل ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں اُردو کے آغاز و ارتقا کے نظریات کا تنقیدی جائزہ، شمالی ہند میں اُردو کا ادبی و لسانی ارتقا، اُردو کی معکوسی آوازیں اور اُن کا ارتقا، سترھویں صدی کی اُردو کی چند صوتی خصوصیات، قدیم اُردو مراثی، قدیم اُردو اور ہریانی، قدیم اُردو کا سرمایہ الفاظ، اور اُردو رسمِ خط اور املا: تاریخی ارتقا کی روشنی میں جیسے موضوعات شامل ہیں۔ آخر میں لسانیاتی اصطلاحات اور اشاریہ اشخاص کا اندراج کیا گیا ہے۔ اُردو زبان کی تشکیل اور اُس کے ارتقا سے متعلق مختلف مسائل اور مباحث کو اُنھوں نے اپنے اِن لسانی مضامین میں خصوصی جگہ دی ہے۔ اِن مضامین میں اُنھوں نے اُردو زبان کی تشکیل اور ارتقا کو تاریخی لسانیات، توضیحی لسانیات، تقابلی لسانیات، صوتیات اور عملی قواعد کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اِس کتاب کے جدید ایڈیشن (بعدِ ترمیم و اضافہ) میں ہند آریائی اور اُردو، نظریہ آغازِ زبانِ اُردو، شمال و دکن میں اُردو کا ارتقا، اُردو کا بولیوں کے ساتھ رشتہ، اُردو لفظیات، عربی و فارسی زبانیں اور اُردو، اور اُردو رسمِ خط جیسے مباحث شامل ہیں۔ اِن مباحث کے نمایاں موضوعات میں اُردو زبان کا ہند آریائی پس منظر، اُردو کے آغاز کے نظریے، اُردو کے آغاز کا سب سے قابلِ قبول نظریہ، شمالی ہند میں اُردو کا ارتقا، دکن میں اُردو کا ارتقا، دکنی اُردو کے لسانی امتیازات، مغربی ہندی کی بولیاں اور اُردو، اُردو اور ہریانوی کا لسانیاتی رشتہ، اُردو اور برج بھاشا کا لسانیاتی رشتہ، اُردو کا ذخیرہ الفاظ، اُردو کے عربی و فارسی عناصر، اور اُردو رسمِ خط کے ترکیبی عناصر شامل ہیں۔

اپنے مضمون اُردو زبان کا ہند آریائی پس منظر میں مرزا خلیل احمد بیگ نے لسانی خاندان کے تصور سے بات کا آغاز کرتے ہوئے اُردو زبان کا آغاز و ارتقا تک مکمل بحث کو آٹھ مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں لسانی خاندان کا تصور، زبانوں کا تقابلی مطالعہ، آریوں کا داخلہ ہند اور ہند آریائی کا ارتقا، قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی، جدید ہند آریائی زبانوں کا ارتقا، جدید ہند آریائی زبانوں کی گروہ بندی، اور اُردو زبان کا آغاز و ارتقا شامل ہیں۔ دنیا کے لسانی خاندان کے تناظر میں خیال ظاہر کرتے ہوئے اُنھوں نے امریکی ماہرِ لسانیات Winfred P. Lehmann کی پیش کردہ سات لسانی خاندانوں پر مشتمل تقسیم[۱۳] سے استفادہ کیا ہے:

۱۔ ہند یورپی (Indo-Eyropean)

۲۔ افریقی ایشیائی (Afro-Asiatic)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ چینی تبتی (Sino-Tibetan)

۴۔ الطائی (Altaic)

۵۔ دراویدی (Dravidian)

۶۔ آسٹروایشیائی (Austro-Asiatic)

۷۔ فنواگرک (Finno-Ugric)(۱۴)

مرزا خلیل احمد بیگ زبانوں کے تقابلی مطالعہ کا نقطہ آغاز ایک انگریز مستشرق سر ولیم جونز کو قرار دیتے ہیں اور اُن کے خیال میں سنسکرت، یونانی، لاطینی، کلٹک اور جرمانک، یہ تمام زبانیں اپنی ساخت کے اعتبار سے باہم بے حد یکسانیت رکھتی ہیں۔ اِن کے اندر پائی جانے والی مماثلتیں اتنی گہری ہیں کہ یقین ہو جاتا ہے کہ اِن کا ارتقا کسی ایک مشترک ماخذ سے ہوا ہے جو اَب ناپید ہے۔(۱۵) آریوں کے داخلہ ہند کے بارے میں اُن کا خیال ہے کہ آریائی لوگ ۱۵۰۰ ق م میں ہندوستان کے شمال مغربی حصے یعنی پنجاب میں داخل ہوئے جہاں سے وہ مشرق کی طرف پھیلتے چلے گئے۔ ہندوستان آمد سے قبل آریائی لوگ لگ بھگ ایک ہزار سال ایران میں مقیم رہے جس کی بدولت اُن کی زبان پر ایرانی اثر نمایاں تھا۔ ہندوستان آمد اور یہاں مقیم ہونے کے بعد وہ ایرانی اثر کم ہونے لگا جس سے زبان کی ہند ایرانی شکل وضع ہونا شروع ہوئی۔ قدیم ہند آریائی کے تناظر میں اُنھوں نے سنسکرت زبان کا ارتقا اور سنسکرت کی علاقائی بولیوں پر روشنی ڈالی ہے اور ہند آریائی کا یہ قدیم دور ۱۵۰۰ ق م تا ۵۰۰ ق م تک محیط تھا۔ اِسی دور نے آریاؤں کی قدیم زبان سنسکرت کی عکاسی کی۔ سنسکرت زبان کے ارتقا میں پہلے ویدک سنسکرت اور پھر کلاسیکی سنسکرت کی شکل نمایاں ہوئی۔ سنسکرت کی علاقائی بولیوں کے ضمن میں اُنھوں نے تین بولیوں کا ذکر کیا ہے جن میں اُدیچیہ (شمال مغربی خطے کی بولی)، پراچیہ (مشرقی خطے کی بولی) اور مدھیہ دیشہ (اُدیچیہ اور پراچیہ کے درمیانی علاقے کی بولی) شامل ہیں۔(۱۶) سنسکرت کی اِنھی تینوں بولیوں کی طرف گیان چند جین نے بھی اشارہ کیا ہے۔ اُن کے نزدیک ''یہ بولیاں سنسکرت ہی تھیں کوئی مختلف زبان نہیں لیکن سنسکرت ادبی اور مرصع زبان تھی۔''(۱۷) ہند آریائی کے ارتقا کا دوسرا دور وسطی ہند آریائی دور کہلاتا ہے جو ۵۰۰ ق م تا ۱۰۰۰ء تک محیط تھا۔ یہ پراکرتوں کا دور تھا جو سنسکرت میں تبدیلی کے باعث نمودار ہوئیں جنھیں تین پراکرتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی پراکرت میں پالی اور اشوک کے کتبوں کی زبان شامل ہے۔ دوسری پراکرت میں شورسینی پراکرت، ماگدھی پراکرت، اردھ ماگدھی پراکرت، مہاراشٹری پراکرت اور پیشاچی پراکرت شامل ہیں۔ تیسری پراکرت میں اپ بھرنش اشکال شامل ہیں۔ شورسینی اپ بھرنش، ماگدھی اپ بھرنش، اردھ ماگدھی اپ بھرنش، مہاراشٹری

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اپ بھرنش اور کیلکئی اپ بھرنش اِس کی نمایاں اشکال ہیں۔ جدید ہند آریائی زبانوں کا ارتقا ۱۰۰۰ء سے شروع ہوتا ہے جب اپ بھرنشوں کی جگہ ہندوستان میں بہت سی بولیوں اور زبانوں نے لے لی۔ کسی بھی زبان کی لسانی عمر اُس کی ادبی عمر سے ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ہند آریائی زبانوں کا ادب کم و بیش دو صدیوں بعد نمایاں ہونا شروع ہوا۔ جدید ہند آریائی زبانوں کی گروہ بندی کے حوالے سے مرزا خلیل احمد بیگ نے وہی تقسیم درج کی ہے جو جارج ابراہم گریرسن نے اپنی کتاب میں پیش کی تھی:

(الف) بیرونی زبانیں

۱۔ شمال مغربی شاخ: لہندا (مغربی پنجابی)، سندھی

۲۔ جنوبی شاخ: مراٹھی

۳۔ مشرقی شاخ: آسامی، بنگالی، اڑیا، بہاری بولیاں (میتھلی، مگہی، بھوجپوری)

(ب) وسطی زبانیں

۱۔ مشرقی ہندی (اودھی، بگھیلی، چھتیس گڑھی)

(ج) اندرونی زبانیں

۱۔ مغربی ہندی (کھڑی بولی) اُردو، ہندی[، ہریانوی، برج بھاشا، بندیلی، قنوجی)

۲۔ پنجابی (مشرقی)

۳۔ گجراتی

۴۔ راجستھانی (مارواڑی/میواڑی، مالوی، جے پوری، میواتی)

۵۔ بھیلی

۶۔ خاندیشی

(د) پہاڑی بولیاں

۱۔ مشرقی پہاڑی (نیپالی/گورکھالی)

۲۔ درمیانی پہاڑی (کمایونی، گڑھوالی)

۳۔ مغربی پہاڑی (شملہ اور اُس کے آس پاس کے پہاڑی علاقوں کی بولیاں) (۱۸)

اُردو زبان کا آغاز و ارتقا کے ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

اُردو ایک جدید ہند آریائی زبان ہے جس کی داغ بیل ہندوستان کی دوسری جدید

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> ہند آریائی زبانوں کی طرح ۱۰۰۰ء کے بعد پڑتی ہے اور مغربی ہندی کی ایک بولی کھڑی بولی اِس کا ماخذ بنتی ہے۔ مغربی ہندی شورسینی اپ بھرنش کے بطن سے پیدا ہوئی تھی اور شورسینی اپ بھرنش، شورسینی پراکرت سے نکلی تھی اور دیگر پراکرتوں کی طرح شورسینی پراکرت کی پیدایش بھی سنسکرت سے ہوئی تھی۔ اِس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُردو کا لسانی خاندانی سلسلہ سنسکرت سے جا کر مل جاتا ہے کیوں کہ جدید ہند آریائی جس میں اُردو بھی شامل ہے قدیم ہندوستان کی اُس زبان کا تسلسل ہے جسے سنسکرت کہتے ہیں۔ اِس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو زبان کی ایک مربوط لسانی تاریخ اور شجرہ نسب ہے اور اِس کا ہند آریائی پس منظر ساڑھے تین ہزار سال کے عرصے کو محیط ہے۔(۱۹)

اُردو کے آغاز کے نظریے کے تناظر میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے اُنھوں نے سب سے پہلے اُردو کے آغاز کے مسئلہ پر روشنی ڈالی جس کے بعد اُردو زبان کے آغاز سے متعلق سات مختلف نظریات کا تحقیقی، تاریخی اور لسانی جائزہ پیش کیا ہے۔ اِن نظریات میں اُردو کے وادیِ سندھ میں پیدا ہونے کا نظریہ، اُردو کے پنجاب میں پیدا ہونے کا نظریہ، اُردو کے دہلی ونواحِ دہلی میں پیدا ہونے کا نظریہ، اُردو کے دکن میں پیدا ہونے کا نظریہ، اُردو کے برج بھاشا سے پیدا ہونے کا نظریہ، اُردو کے کھڑی بولی سے پیدا ہونے کا نظریہ، اور اُردو کے ملواں زبان ہونے کا نظریہ شامل ہیں۔ اُردو کے ملواں زبان ہونے کا نظریہ میر امن کی تصنیف ''باغ و بہار'' (۱۸۰۳ء) کے دیباچہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ مختلف زبانوں کے ملاپ سے اُردو کا وجود ظہور پذیر ہوا، محض قیاس آرائی بلکہ گمراہی پر مبنی نظریہ ہے جس کا لسانی اُصولوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اُردو کے برج بھاشا سے پیدا ہونے کا نظریہ مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آبِ حیات'' (۱۸۸۰ء) کے دیباچہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ اُن کے خیال میں اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے جو کہ خالص ہندوستانی زبان ہے مگر اُنھوں نے اِس ضمن میں کوئی لسانی استدلال پیش نہیں کیا۔ اُردو کے دکن میں پیدا ہونے کا نظریہ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اپنی تصنیف ''دکن میں اُردو'' (۱۹۲۳ء) میں پیش کیا۔ اُن کا خیال ہے کہ مسلمان چوں کہ سب سے پہلے سندھ کے علاوہ دکن میں بھی داخل ہوئے لہٰذا یہ بات کی جاسکتی ہے کہ اُردو کا سانچا دکن میں تیار ہوا۔ یہ استدلال محض قیاس آرائی سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے اپنی تصنیف ''دکنی کی ابتدا'' (۱۹۷۰ء) میں دکنی زبان کو اُردو سے بالکل ایک جدا گانہ زبان قرار دیا ہے۔ اُن کے خیال میں دکنی کسی دوسری زبان سے ماخوذ نہیں بلکہ دکن کی ہی پیداوار ہے۔ اُنھوں نے مرہٹی میں عربی و فارسی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے شامل ہونے سے دکنی زبان کے ظہور پذیر ہونے کی بات کی ہے۔ اُن کا یہ نظریہ بھی قیاس آرائی سے زیادہ کچھ نہیں۔ اُردو کے دکن میں پیدا ہونے سے متعلق پائے جانے والے نظریے کے تناظر میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> اُردو کے دکن میں پیدا ہونے کا نظریہ کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کیوں کہ جنوبی ہند کے بحری راستوں سے جو عرب یا عرب مسلمان دکن میں آئے اُن کا زیادہ تر سابقہ دراویدی خاندان کی زبانیں مثلاً ملیالم، تامل اور کنڑ یا اُن کی قدیم شکلوں سے پڑا۔ دراویدی زبانوں اور عربی (جو ایک بالکل علاحدہ سامی لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے) کے میل جول سے ایک ایسی زبان کے معرضِ وجود میں آنے کی بات سوچنا جو ایک تیسرے لسانی خاندان ہند آریائی سے تعلق رکھتی ہو، محض قیاس آرائی ہی ہوسکتی ہے۔(۲۰)

اُردو کے پنجاب میں پیدا ہونے کا نظریہ حافظ محمود شیرانی نے اپنی تصنیف پنجاب میں اُردو (۱۹۲۸ء) میں پیش کیا۔ وہ اپنا نظریہ اِس بات پر استوار کرتے ہیں کہ مسلمان دسویں صدی میں پنجاب میں داخل ہوئے اور اُنھوں نے دو صدیاں وہاں قیام کیا۔ پنجاب سے مسلمان اپنی زبان کے ساتھ دہلی منتقل ہوئے جہاں فارسی، ترکی، پنجابی اور مقامی زبانوں کے لسانی روابط اور مسلمانوں اور مقامی آبادی کے سماجی میل جول سے اُردو زبان کا وجود سامنے آیا۔ یعنی اُردو کی پیدایش پنجاب میں ہو چکی تھی۔ حافظ محمود شیرانی نے اُردو اور پنجابی کی لسانی مشابہتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پنجاب میں اُردو کی پیدایش کے تناظر میں کئی ماہرین اپنی آرا پیش کر چکے ہیں جن میں میر شیر علی خاں سرخوش، سید محی الدین قادری زور اور ٹی۔ گراہم بیلی کی طرف مرزا خلیل احمد بیگ نے اشارہ کیا ہے۔ یہ نظریہ لسانیات کے جدید اُصولوں پر پورا نہیں اترتا مگر اِس میں شیرانی صاحب نے اُردو اور پنجابی کے مابین جو لسانی اشتراکات پیش کیے ہیں، وہ نہایت عمدہ ہیں۔ اُردو کے وادیِ سندھ میں پیدا ہونے کا نظریہ سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف نقوشِ سلیمانی (۱۹۳۹ء) میں پیش کیا۔ وہ اپنے نظریے کی بنیاد اِس بات پر قایم کرتے ہیں کہ مسلمان ہندوستان میں سب سے پہلے وادیِ سندھ میں داخل ہوئے۔ لسانی اعتبار سے اِس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ وادیِ سندھ کی اُس دور کی زبان اُردو کی ابتدائی شکل تھی بلکہ وہ سندھی کی قدیم شکل تھی۔ چناں چہ قیاس آرائی پر مبنی اِس نظریے کو مرزا خلیل احمد بیگ رد کرتے ہیں۔ اُردو کے دہلی و نواحِ دہلی میں پیدا ہونے کے نظریے کو مرزا خلیل احمد بیگ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں دہلی اور نواحِ دہلی کی بولیاں، اور قدیم اُردو پر ہریانوی کے اثرات جیسے دو مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُردو زبان کی ابتدا کے حوالے سے دہلی و نواحِ دہلی کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بولیوں کی اہمیت کے تناظر میں پروفیسر مسعود حسین خاں کی شہرہ آفاق تصنیف مقدمہ تاریخِ زبانِ اُردو (۱۹۴۸ء) نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اُنھوں نے قدیم دکنی کی لسانی خصوصیات کا موازنہ نواحِ دہلی کی بولیوں کے ساتھ پیش کیا ہے اور اُن کا زور نواحِ دہلی کی بولیوں پر ہے۔ وہ دہلی کو اُردو زبان کا مولد قرار دیتے ہیں۔ پہلے اُنھوں نے نواحِ دہلی کی بولیوں میں سے ہریانوی پر زیادہ زور دیا پھر ہریانوی اور کھڑی بولی پر برابر زور دیا اور جب مقدمہ تاریخِ زبانِ اُردو کا ساتواں ایڈیشن ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تو اُنھوں نے کھڑی بولی پر زیادہ زور دیا۔ اُردو کی ابتدا میں نواحِ دہلی کی بولیوں کے کردار کے ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> شہرِ دہلی چار بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ بولیاں ہیں: ہریانوی، کھڑی بولی، برج بھاشا اور میواتی۔ ہریانوی، دہلی کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہے۔ دراصل یہ شہر جمنا کے مغرب میں ہریانوی سے گھرا ہوا ہے۔ جمنا اور دہلی کے شمال مشرق میں کھڑی بولی کا چلن ہے جو دوآبہ گنگا و جمنا کہلاتا ہے۔ دہلی کے جنوب مشرق میں کچھ دور چل کر برج بھاشا مل جاتی ہے اور دہلی کے جنوب مغرب میں راجستھانی کی ایک بولی میواتی کا چلن ہے۔ مسعود حسین خاں کے نظریے کے مطابق اُردو کے ارتقا میں اِن تمام بولیوں کے اثرات مختلف زمانوں میں پڑتے رہے ہیں۔ ہریانوی نے قدیم اُردو کی تشکیل میں حصہ لیا، کھڑی بولی نے جدید اُردو کا ڈول تیار کیا، برج بھاشا نے اُردو کا معیاری لب و لہجہ متعین کرنے میں مدد دی اور میواتی نے قدیم اُردو پر اپنے بعض اثرات مرتسم کیے۔(۲۱)

اُردو کے کھڑی بولی سے پیدا ہونے کا نظریہ اِس بات پر استدلال کرتا ہے کہ اُردو کی اصل کھڑی بولی ہے۔ اِس نظریہ کے حامیوں میں ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، جارج ابراہم گریرسن، ڈاکٹر سہیل بخاری اور ڈاکٹر گیان چند جین کے نام نمایاں ہیں۔ سنیتی کمار چٹرجی نے اپنی تصنیف *Indo-Aryan and Hindi* (۱۹۴۲ء) میں اِس نظریے کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہندی، ہندوی اور اُردو کو ایک ہی زبان قرار دیتے ہوئے اِسے ہندستھانی کا نام دیتے ہیں اور مغربی اپ بھرنش کو اِس کی اصل سمجھتے ہیں۔ یہی ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش اُن کے خیال میں کھڑی بولی کا نکھرا ہوا روپ ہے۔ شوکت سبزواری نے اپنی تصنیف ''داستانِ زبانِ اُردو'' (۱۹۶۱ء) میں اِس نظریے کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہندوستانی اور کھڑی بولی کو ایک ہی زبان سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ''اُردو ہندوستانی سے ترقی پا کر بنی جو دہلی، میرٹھ اور اُس کے نواح میں بولی جاتی تھی۔''(۲۲) اپنے اِسی مؤقف کو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

آگے چل کر مزید واضح کرتے ہیں کہ ''اُردو کھڑی بولی سے ترقی پا کر بنی جس کی بابت عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دہلی اور میرٹھ کے نواح میں بولی جاتی تھی۔''(۲۳) مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک ''شوکت سبزواری جس مغربی اپ بھرنش کو ادبی مانتے ہیں، چٹرجی اُسے ترقی یافتہ مغربی اپ بھرنش کہتے ہیں۔''(۲۴) جارج ابراہم گریرسن نے بھی اُردو کے ارتقا کے ضمن میں کھڑی بولی کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اُنھوں نے اُردو کو کھڑی بولی کا ادبی روپ قرار دیا ہے اور اِسی کھڑی بولی کو ہندوستانی کا نام دیا ہے جس میں عربی و فارسی الفاظ کی کثرت ہے۔ سہیل بخاری اپنے ایک مضمون اُردو کا قدیم ترین ادب (۱۹۶۵ء) میں خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اُردو اور ہندی میں واضح فرق پی اور دکھیل الفاظ کا ہے۔ وہ اُردو اور ہندی دونوں کو کھڑی بولی کے دو روپ قرار دیتے ہیں۔ گیان چند جین نے اپنے مضمون اُردو کے آغاز کے نظریے (۱۹۷۷ء) میں خیال ظاہر کیا ہے کہ ''اُردو کی اصل کھڑی بولی اور صرف کھڑی بولی ہے۔ کھڑی بولی دہلی اور مغربی یو پی کی بولی ہے۔''(۲۵) اُردو زبان کی ابتدا سے متعلق مرزا خلیل احمد بیگ نے مذکورہ تمام نظریات کا نہ صرف مختصراً جائزہ پیش کیا ہے بلکہ ''اُردو کے آغاز کا سب سے قابلِ قبول نظریہ'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں جدید لسانی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے محاکمہ بھی صادر کیا ہے۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے اپنے استاد پروفیسر مسعود حسین خاں کے لسانی تحقیق پر مبنی نظریے کو اُردو کے آغاز کا سب سے قابلِ قبول نظریہ قرار دیا ہے۔ اپنے اِس مضمون کو اُنھوں نے بنیادی طور پر تین بنیادی مباحث سے مزین کیا ہے جن میں اُردو کہاں پیدا ہوئی؟، اُردو کب پیدا ہوئی؟ اور اُردو کیسے پیدا ہوئی؟ شامل ہیں۔ اِن تینوں سوالات کا جواب اُنھوں نے مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق کی مدد سے پیش کیا ہے۔ اُردو دہلی میں پیدا ہوئی، اُردو کی ابتدا کا تعلق مسلمانوں کے داخلہ دہلی سے ہے، اور اُردو کی پیدایش کا تعلق شمالی ہندوستان میں ہونے والی لسانی تبدیلیوں کے ساتھ ہے۔ اِس ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> اُردو کی پیدایش کے سلسلے میں ابتدا میں جو تین سوالات قایم کیے گئے تھے کہ اُردو کب پیدا ہوئی؟ کہاں پیدا ہوئی؟ اور کیسے پیدا ہوئی؟ اِن کے جوابات مسعود حسین خاں کی تحقیق کی روشنی میں تشفی بخش طور پر ہمیں مل جاتے ہیں۔ اُن کے نظریے کے مطابق اُردو بارھویں صدی کے آخر میں (۱۱۹۳ء کے بعد) دہلی و نواحِ دہلی میں کھڑی بولی سے تشکیل پذیر ہوئی جس پر ابتدا میں ہریانوی کے اثرات پڑے۔ مسعود حسین خاں کا یہی نظریہ اُردو کے آغاز و ارتقا کا سب سے قابلِ قبول نظریہ ہے جسے تا حال ٹھوس لسانیاتی بنیادوں پر چیلنج نہیں کیا جا سکا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اِس کے علاوہ اُردو کے آغاز کے جتنے بھی نظریے ہیں اُنھیں لسانیاتی بنیادوں پر رَد کیا جا چکا ہے کہ اُن کی بنیاد قیاس آرائیوں اور غلط مفروضوں پر قائم ہے۔(۲۶)

شمالی ہند میں اُردو کا ارتقا کے تناظر میں خیال ظاہر کرتے ہوئے مرزا خلیل احمد بیگ نے کھڑی بولی کے ابتدائی نمونے، کھڑی بولی کی لسانی خصوصیات، اُردو کا آغاز، قدیم دور (۱۲۰۰ء تا ۱۷۰۰ء)، قدیم اُردو کی لسانی خصوصیات، درمیانی دور (۱۷۰۰ء تا ۱۸۵۷ء) اور درمیانی اُردو کی لسانی خصوصیات جیسے مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔ دکن میں اُردو کا ارتقا کے ضمن میں اُنھوں نے دکن میں اُردو کی ابتدا، دکن کی خودمختار ریاستیں، اور دکن میں اُردو زبان و ادب کا فروغ جیسے مباحث کا احاطہ کیا ہے۔ دکنی اُردو کے لسانی امتیازات کے تناظر میں اُنھوں نے تین لسانی امتیازات کا ذکر کیا ہے جن میں صوتی، صرفی اور نحوی امتیازات شامل ہیں۔ مغربی ہندی کی بولیاں اور اُردو کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اُنھوں نے مغربی ہندی کی وجہِ تسمیہ اور ارتقا، مغربی ہندی کا محلِ وقوع، مغربی ہندی کی بولیوں کی ساخت، مغربی ہندی کی بولیاں اور اُن کی خصوصیات جیسے موضوعات پر بحث کی ہے۔ اُردو اور ہریانوی کا لسانیاتی رشتہ کے ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ نے قدیم اُردو اور ہریانوی، اور قدیم اُردو پر ہریانوی کے اثرات پر گفتگو کی ہے۔ اُردو اور برج بھاشا کا لسانیاتی رشتہ کے تناظر میں بات کرتے ہوئے اُنھوں نے قدیم اُردو اور برج بھاشا، اور قدیم اُردو پر برج بھاشا کے اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ اُردو کا ذخیرہ الفاظ کے ضمن میں اُنھوں نے تتسم الفاظ، تدبھو الفاظ، زمانہ حال کی اُردو میں تدبھو الفاظ کا استعمال، دیسی الفاظ، عربی و فارسی الفاظ، ترکی الفاظ، اور دراویدی زبانوں کے الفاظ پر بحث کی ہے۔ اُردو کے عربی و فارسی عناصر کے ضمن میں بات کرتے ہوئے اُنھوں نے تحریری عناصر، صوتی عناصر، لغوی عناصر، قواعدی عناصر، اور کلمے، فقرے، محاورے اور ضرب الامثال جیسے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ آخر میں اُردو رسمِ خط کے ترکیبی عناصر پر بحث کی گئی ہے۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے زبان اور رسمِ خط، اُردو رسمِ خط کی تشکیل کے بنیادی عناصر، اعراب و علامات، املا کے بعض مسائل، اور لغاتِ ہندی کا املا جیسے مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔

''آیئے اُردو سیکھیں'' کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کی مختصر کتاب ۱۹۸۷ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اُنھوں نے بنیادی طور پر بالغوں کو اُردو رسمِ خط سیکھانے کے لیے تحریر کی جو بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ اِسے اُنھوں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں کل چوبیس اسباق شامل ہیں جس کے نمایاں مباحث مفرد حروف، مرکب حروف، عبارات، اور نثر و نظم ہیں۔ اپنی اِس کتاب کو مرزا صاحب نے جدید لسانیات اور صوتیات کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ اُنھوں نے روایتی انداز سے استعمال

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہونے والے اُردو قاعدوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جن کے ذریعے اُردو حروف تہجی کی انفرادی حیثیت میں محض مشق پیش کی جاتی ہے۔ پہلا حصہ اُردو کے مفرد حروف اور اعراب و علامات سے متعلق بنیادی مباحث کا احاطہ کرتا ہے۔ اِس ضمن میں مفرد حروف کی اشکال اور اُن کی آوازوں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اعراب و علامات کے تناظر میں اُردو کی مختلف آوازوں اور اُن کے نمایندہ حروف و علامات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اِس ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> اُردو کے تمام حروف کھڑی، پڑی اور ترچھی لکیروں، نیز دائروں اور نیم دائروں یا اُن کے میل سے تشکیل پاتے ہیں۔ اُن شکلوں کو اُردو حروف تہجی کی ماقبل یا پروٹو شکلیں (Proto forms) کہہ سکتے ہیں۔(۲۷)

مرزا خلیل احمد بیگ نے اُردو حروف تہجی کی ماقبل اشکال کے نام کے سامنے حروف کی فہرست پیش کی ہے۔ اُن کے خیال میں جو حروف مصوتے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اُن کے ساتھ اعراب استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً دو، دی، دے وغیرہ۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے دُہرے مصوتے (diphthongs)، مصمتی خوشوں (consonent clusters)، مصوتی تسلسل/مصوتی جوڑ (vowel conjunct)، مصمتی تکرار/مشدد مصمتوں (consonental gemination) اور نونِ غنہ (nasalization) جیسے موضوعات کا خوب صورتی سے احاطہ کیا ہے۔ دوسرے حصے میں اُردو کے حروف کی ترکیبی اشکال (allographs) پر گفتگو ملتی ہے۔ اِس تناظر میں حروف کی ترکیبی اشکال کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے یا پھر دوسرے مفرد حروف کے ساتھ جوڑنے کے طریقہ کار پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں حروف کی ابتدائی، درمیانی اور آخری تینوں حالتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ حروف کی ترکیبی اشکال کی بنیاد پر اُنھوں نے حروف تہجی کو سات گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ تیسرے حصے میں ہائے مخلوط، تنوین، واوِ معدولہ، واوِ عطف، الفِ وصل، الفِ مقصورہ، اور اضافتوں پر بحث کی گئی ہے جن کو سیکھانے کے لیے مخصوص متن تیار کیے گئے ہیں۔ اِس حصے کے آخر تک پہنچتے ہوئے اُردو رسمِ خط سے متعلقہ تمام معاملات کو نہایت اچھے انداز سے پیش کر دیا گیا ہے۔ اُردو رسمِ خط سے متعلق تمام بنیادی امور سیکھانے کے بعد چوتھے حصے میں مرزا خلیل احمد بیگ نے تین اسباق پیش کیے ہیں تا کہ اِس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ اُردو نظم و نثر کا کوئی حصہ پڑھنے اور لکھنے پر سیکھنے والے کو کس قدر مہارت حاصل ہو پائی ہے۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے مولوی عبدالحق کا ایک نثری سبق، علامہ اقبال کی ایک نظم، اور مسعود حسن رضوی ادیب کا ایک خط بطور سبق پیش کیے ہیں۔ اُن کی آیئے اُردو سیکھیں پر مبنی یہ کاوش قابلِ تحسین ہے جس میں اُنھوں نے اُردو رسمِ خط کو سیکھنے اور سیکھانے کے لیے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مشقیں نہایت احسن انداز سے ترتیب دی ہیں۔

بیسویں صدی کے نامور شاعر، نثر نگار، ناول نگار، ڈراما نگار، مترجم اور ماہرِ علم اللسان پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی (۱۸۶۶ء تا ۱۹۵۵ء) کی شخصیت اور اُن کی ادبی و لسانی خدمات پر مشتمل مرزا خلیل احمد بیگ کی مونوگراف کتاب ''پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی'' کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں سامنے آئی جسے ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی نے شائع کیا۔ اپنی اِس کتاب کو اُنھوں نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں پنڈت کیفی کے حالاتِ زندگی، اُن کی ادبی خدمات، لسانی تحقیق، زبان، رسمِ خط اور املا، تاریدو تصریف اور وضع اصطلاحات، اور قواعدِ زبان و بلاغت شامل ہیں۔ ''منشورات'' (۱۹۳۴ء) اور ''کیفیہ'' (۱۹۴۲ء) علم اللسان پر اُن کی معروف کتابیں ہیں۔ پنڈت کیفی کی ادبی و لسانی خدمات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی جس کے باعث مرزا خلیل احمد بیگ نے اُن کی شخصیت اور اُن کی علمی، ادبی، تحقیقی اور لسانی خدمات پر کتاب ترتیب دی۔ پنڈت کیفی کا شمار بھی اُن ادیبوں میں ہوتا ہے جو اُردو زبان کو ہندوستان میں ایک مشترکہ ہندوستانی تہذیب اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے صدیوں کے میل جول اور تعلقات کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہ اُردو تحریک کے سرگرم رکن تھے جو انجمن ترقیِ اُردو، ہند کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک وابستہ رہے۔ منشورات اُن کے علمی و لسانی خطبات کا مجموعہ ہے جس میں اُنھوں نے علم اللسان کے مختلف مباحث و مسائل پر روشنی ڈالی۔ اِن مسائل و مباحث میں زبان کی مبادیات، اُردو لسانیات، اُردو اور لکھنؤ، اُردو اور پنجاب، اُردو ہماری زبان، زبان و قواعد، رسمِ خط، املا کے مسائل، اور اصطلاح سازی جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اُردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مختلف نظریات اور اُن پر بحث کا احاطہ اُن کی کتاب کیفیہ میں ملتا ہے جس میں اُردو قواعد پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اِس ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> کیفی کی اُردو لسانیات سے دل چسپی کے کئی پہلو ہیں۔ اُنھوں نے اُردو زبان کے آغاز و ارتقا کے مسائل سے لے کر الفاظ و مرکبات، محاورات و ضرب الامثال، تذکیر و تانیث، متروکات، روزمرہ اور اُردو رسمِ خط اور املا، نیز صوتیات اور تاریخی لسانیات کے مسائل تک سے بحث کی ہے۔ اِن کے علاوہ قواعدِ زبان، بیان و بلاغت اور اُسلوب کے مسائل پر بھی غور و فکر سے کام لیا ہے۔ (۲۸)

اُردو زبان کی تاریخ کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کی مرتبہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۹۵ء میں منظرِ عام پر آئی جسے ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے شائع کیا۔ اِس کتاب کا اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۰۰ء میں اِسی ادارے کی وساطت سے سامنے آیا۔ یہ کتاب پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جن میں اُردو کی ابتدا اور ارتقا کے نظریے،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اُردو کا آغاز و ارتقا، دکنی اُردو، اُردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ، اور اُردو کی سماجی اور تہذیبی قدرو قیمت شامل ہیں۔ اِس کتاب میں کل انیس مضامین و مقالہ جات شامل ہیں جن کے تخلیقِ کاروں میں سید محی الدین قادری زور، مسعود حسین خاں، شوکت سبزواری، سہیل بخاری، عبدالقادر سروری، عبدالستار دلوی، سجاد ظہیر، غلام عمر خاں، سید ظہیرالدین مدنی اور مرزا خلیل احمد بیگ کے نام نمایاں ہیں۔ کتاب کے نمایاں مباحث میں اُردو کی ابتدا، اُردو کی ابتدا سے متعلق چند مشاہدات، اُردو کے آغاز کے نظریے، اُردو کے آغاز و ارتقا کے نظریے، اُردو زبان کی ابتدا اور ارتقا کا مسئلہ، اُردو زبان کا ارتقا، اُردو زبان کا آغاز و ارتقا، شمالی ہند میں اُردو کا آغاز و ارتقا، دکنی زبان، دکنی یا اُردوئے قدیم؟، دکنی کے بعض لسانی رجحانات، گجری اور دکنی اُردو، دکنی اُردو کا آغاز و ارتقا اور لسانی خصوصیات، اُردو، ہندی، ہندوستانی، اُردو اور ہندی کا لسانی اشتراک، اُردو کا ہندوستانی رجحان، اور اُردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں شامل ہیں۔

''تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید'' کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے مضامین پر مشتمل کتاب شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ نے ۲۰۰۵ء میں شائع کی۔ اپنی اِس کتاب کو اُنھوں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں اُسلوبیاتی تنقید: نظری مباحث، اُسلوبیاتی نظریہ ساز، اُسلوبیاتی تجزیے، اور نئے تنقیدی زاویے جیسے موضوعات اور کل پندرہ مضامین شامل ہیں۔ اِس کے نمایاں مباحث میں اُسلوبیاتی تنقید کی مبادیات اور اُس کا طریقہ کار، اُسلوبیات کے حوالے سے تنقید کا نیا منظر نامہ، مغرب کے چند نظریہ ساز، مسعود حسین خاں اور اُسلوبیات، گوپی چند نارنگ کا اُسلوبیاتی نظریہ تنقید، ابوالکلام کی نثر، نیاز فتح پوری کا لسانی مزاج اور تشکیلِ اُسلوب، رشید احمد صدیقی کا طنزیہ و مزاحیہ اُسلوب، اکبر الٰہ آبادی اور لغاتِ مغربی، ادب اور نشانیات، اور تجزیہ کلامیہ: مسائل و مباحث شامل ہیں۔ اُسلوبیاتی تنقید کے نظری مباحث کے ساتھ ساتھ یہاں اُس کے علمی اور اطلاقی نمونوں کو بھی بھرپور انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ زبان کے ادبی پہلوؤں پر روشنی اِس انداز سے ڈالی گئی ہے کہ لسانیات اور ادب کے گہرے ناطے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ اُسلوبیاتی تنقید چوں کہ روایتی تنقید سے ہٹ کر معروضی، لسانی اور سائنسی طرزِ مطالعہ و فکر کو ترویج دیتی ہے لہٰذا مرزا خلیل احمد بیگ کے یہاں بھی معروضی اور توضیحی انداز نمایاں نظر آتا ہے۔ اُنھوں نے یورپ اور امریکا میں لسانیاتی اُسلوبیات کے آغاز و ارتقا اور اِس کے فروغ پر روشنی ڈالی ہے جس کا اثر اُردو اُسلوبیات پر بھی دکھایا گیا ہے۔ اُردو اُسلوبیات کے بنیاد گذاروں میں پروفیسر مسعود حسین خاں اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ بیگ صاحب نے اِن دونوں ادبی و لسانی شخصیات کی اُسلوبیاتی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اِس کتاب میں شامل سات مضامین مکمل طور پر عملی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نوعیت کے اُسلوبیاتی تجزیاتی مضامین ہیں جن کے ذریعے شعری ونثری ہر دو قسم کے نمونوں کا اُسلوبیاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

''ایک بھاشا: جو مسترد کر دی گئی'' کے عنوان سے ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ کی کتاب ۲۰۰۷ء میں ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے شائع کی۔ اُن کی یہ تصنیف دراصل ڈاکٹر گیان چند جین کی متنازعہ کتاب ''ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دو ادب'' (۲۰۰۵ء) کے ردِعمل کے طور پر سامنے آئی۔ مذکورہ متنازع کتاب کے منظرِ عام پر آنے کے بعد سے ہی اِس پر خاصی تنقید اور بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ اِسی سلسلہ میں ڈاکٹر خلیل احمد بیگ کا ایک جامع مضمون اُردو زبان، فرقہ پرستی کے تناظر میں۔ ''ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دو ادب'' پر ایک نظر کے عنوان سے ''قومی آواز'' (نئی دہلی) سے ۲۰۰۶ء میں آٹھ اقساط میں شائع ہوا جسے خصوصی پذیرائی ملی جس کی بنا پر یہی مضمون ۲۰۰۶ء میں ہی دوسرے رسائل ''اخبارِ اُردو'' (اسلام آباد)، ''الانصار'' (حیدر آباد) اور ''پندار'' (پٹنہ) میں بھی شائع ہوا۔ بعد میں اِسی مضمون کو اضافوں کے ساتھ کتابی شکل میں بعنوان ''ایک بھاشا: جو مسترد کر دی گئی'' شائع کیا گیا۔ اپنی اِس کتاب کو مرزا خلیل احمد بیگ نے کل نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں سے پہلے پانچ ابواب اُن کے مذکورہ مضمون پر مشتمل ہیں اور باقی ماندہ چار ابواب اضافتاً شامل کیے گئے ہیں۔ اِس کتاب کے دیباچہ میں اُنھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین، پروفیسر محمد حسن، شمس الرحمٰن فاروقی اور مظہر امام سمیت کل اٹھارہ ادبی شخصیات کی اِس کتاب سے متعلق رائے کو نقل کیا ہے جو اِن شخصیات نے مرزا خلیل احمد بیگ کو لکھا تھا۔ مذکورہ کتاب کے نمایاں مباحث میں فرقہ وارانہ ذہنیت اور منفی طرزِ فکر، اُردو گو مسلمان اور اُردو ادب، کھڑی بولی ہندی، اُردو کا ہندی پر تقدم زمانی، ہندی امپیریلزم اور اُردو، پریم ساگر کی تخلیق کے دور رس نتائج، فورٹ ولیم کالج اور اُردو، ہندی، ہندوستانی اور اُردو مخالف رجحانات و تحریکات شامل ہیں۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ کی یہ کتاب اُن کے ڈاکٹر گیان چند جین کے ساتھ علمی، تحقیقی، تاریخی اور لسانی اختلافات کا نتیجہ ہے۔ مرزا صاحب کی خاصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے اختلافِ رائے رکھنے کے باوجود تہذیب اور شائستگی کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پروفیسر گیان چند جین کا شدت پسندانہ اور جارحانہ رویہ اور رجحان جو اُن کی کتاب میں جابجا دکھائی پڑتا ہے، کے ردِعمل کے طور پر مرزا خلیل احمد بیگ نے انتہائی سنجیدگی، متانت، تحمل اور متوازن رویے کی مدد سے اپنی رائے کو پیش کیا ہے جس میں شدت پسندانہ رجحانات اور جارحیت سے اجتناب برتا گیا ہے اور معروضی طرزِ فکر کو بالخصوص فروغ دیا ہے۔ مگر اِس کے باوجود مرزا صاحب کی نظر میں چار مسائل و مباحث ایسے ہیں جن میں لسانی اعتبار سے تحقیق کی مزید گنجائش موجود ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اُردو اور ہندی ایک زبان ہے یا دو الگ الگ زبانیں۔ گیان چند جین اِنھیں ایک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہی زبان مانتے ہیں۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کھڑی بولی ہندی کے جو نمونے گیان چند جین نے پیش کیے ہیں،اُن میں سے اکثر غیر مصدقہ ہیں۔تیسرا مسئلہ اُردو رسمِ خط جس پر گیان چند جین کے لگائے گئے الزامات کی تصدیق کا ہے۔چوتھا مسئلہ گیان چند جین کی تضاد بیانی کا ہے جو اُن کی کتاب میں چار سو پھیلی دکھائی پڑتی ہے۔(۲۹) مرزا خلیل احمد بیگ کا خیال گیان چند جین کی اِس کتاب کے بارے میں کچھ مثبت نہیں رہا جس کی وجہ سے اُنھوں نے اِس کتاب میں پیش کی گئی غیر معتدل،متعصّبانہ،جذباتی اور جارحانہ اپروچ کو نہ صرف سنجیدگی سے نشانہ تنقید بنایا ہے بلکہ خالصتاً لسانیات کی سائنسی اور غیر معروضی اپروچ کو استعمال کرتے ہوئے اِس کا مؤثر جواب دینے کی کوشش بھی کی ہے۔مرزا صاحب کی یہ کاوش قابلِ ستایش ہے کیوں کہ اپنی اِس کوشش کو اُنھوں نے مکمل طور پر علمی ولسانی رکھا ہے۔

فرقہ وارانہ ذہنیت اور منفی طرزِ فکر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مرزا خلیل احمد بیگ کا خیال ہے کہ ''ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب'' جو کہ کتاب کا عنوان ہے، وہی اُردو زبان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اُردو میں بھاشا کے لیے زبان لفظ اور لکھاوٹ کے لیے رسمِ خط کا لفظ نہایت فصیح،موزوں اور مستعمل ہے۔چوں کہ کتاب اُردو زبان میں ہے اِس لیے مذکورہ عنوان غربت کا شکار ہے جو کہ گیان چند جین کی فرقہ وارانہ ذہنیت کو آشکار کرتا ہے۔مرزا صاحب کی اِس بات میں کچھ وزن باقی نہ رہتا اگر جین صاحب کی کتاب کا مواد اُن کے منفی اور متعصّبانہ طرزِ فکر کی عکاسی نہ کرتا۔اِس ضمن میں مرزا خلیل احمد بیگ نے بہت سی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جو جین صاحب کے نہ صرف اہلِ اُردو بالخصوص اُردو گو مسلمانوں بلکہ مختلف اداروں کے حوالے سے بھی بھرپور تعصب کو ظاہر کرتی ہیں۔شخصیات کے ضمن میں اُنھوں نے میر تقی میر،مومن خاں مومن،جگر مرادآبادی،داغ دہلوی،سرسید احمد خاں،مولانا محمد حسین آزاد،ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،مولوی عبدالحق، مالک رام،اور جگن ناتھ آزاد جبکہ اداروں میں عثمانیہ یونی ورسٹی،حیدرآباد اور انجمن ترقی اُردو،ہند کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔بات صرف یہاں تک ہی نہیں ختم ہوتی بلکہ اُنھوں نے تو بیرونِ ملک بالخصوص امریکا اور کینیڈا میں بسنے والے اُردو گو مسلمانوں کو بھی نہیں بخشا۔اُردو گو مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں بستا ہو جین صاحب اُس کی وفاداری صرف اور صرف پاکستان سے ہی ثابت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اِس حوالے سے تو اُنھوں نے اُردو گو مسلمان ہندوستانیوں کو بھی نہیں بخشا۔اُردو زبان ہندوستان کے مشترکہ کلچر کی نمایندہ زبان ہے جس نے کئی صدیوں تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے ساتھ اختلاط کے نتیجہ میں اپنا ارتقائی سفر طے کیا ہے۔اِس کے حامی ہندوستان میں کئی ادیب دکھائی دیتے ہیں جن میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر محمد حسن،ڈاکٹر کامل قریشی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر سید محمود، پروفیسر آل احمد سرور،خواجہ احمد فاروقی،بیگم صالحہ عابد حسین اور ڈاکٹر مظفر حنفی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے نام نمایاں ہیں۔ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ بھی اِسی مشترکہ کلچر پر مبنی تصور کے حامی ہیں جس کا اُردو زبان و ادب کے ساتھ نہایت ہی گہرا تعلق رہا ہے۔ جہاں تک گیان چند جین صاحب کا تعلق ہے تو وہ سراسر اِس تصور کے خلاف ہیں۔اِس ضمن میں وہ کوئی نمایاں لسانی یا تہذیبی وثقافتی دلیل پیش کرنے کی بجائے جذباتی اور فرقہ وارانہ سوچ کے حامل نظر آتے ہیں۔اُردو اور ہندی دونوں زبانیں ہی کھڑی بولی کی جدید اشکال ہیں جن کا لسانی اعتبار سے اشتراک قابلِ ذکر ہے۔دونوں زبانوں نے قدیم مشترکہ ادب رکھنے کے باوجود اپنا اپنا الگ اور انفرادی ادب تخلیق کیا ہے جس میں دونوں نے اپنا مخصوص مقام پیدا کیا ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین غیر لسانی بنیادوں پر اُردو اور ہندی کے موضوع پر بات کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے اُن کا لہجہ واضح طور پر تعصب اور جانب داری کا مظاہرہ کرتا ہے جس میں اُن کا جھکاؤ محسوس انداز سے ہندی کی طرف دکھائی دیتا ہے۔ مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک اُردو اور ہندی دونوں ہی جدید ہند آریائی زبانیں ہیں۔اِس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> جین صاحب اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت اور سوچ کے شدید دباؤ میں یہ بھول گئے کہ اُردو، عربی، فارسی یا ترکی سے نہیں بلکہ کھڑی بولی سے پیدا ہوئی ہے اور اِس کی اصل و اساس اور بنیاد کھڑی بولی ہے۔وہ یہ بھی بھول گئے کہ اُردو میں تقریباً ۸۰ فی صد الفاظ سنسکرت اور پراکرت نژاد (=تتسم اور تدبھو) ہیں اور اِس زبان میں اُن کی حیثیت ناگزیر (Indispensible) ہے۔وہ یہ بھی بھول گئے کہ اُردو میں ایسے بے شمار جملے ترتیب دیے جا سکتے ہیں اور ایسے لا تعداد اشعار موزوں کیے جا سکتے ہیں جن میں ایک بھی عربی فارسی لفظ استعمال نہ ہوا ہو لیکن اُردو کا کوئی جملہ یا شعر ہند آریائی (ہندی الاصل) الفاظ و قواعد کے بغیر تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی وہ اُردو کو جو ہندی ہی کی طرح ایک جدید ہند آریائی اور ہندوستانی زبان ہے، ہندوستان کی زبان سے الگاؤ برتنے کی علامت قرار دیتے ہیں۔اِسے جین صاحب کی تنگ نظری، لسانی عصبیت اور ہند آریائی لسانیات سے عدم واقفیت پر ہی محمول کیا جانا چاہیے۔(۳۰)

لسانیات کا تعلق مذہب سے جوڑنا کوئی گیان چند جین سے ہی سیکھ سکتا ہے۔زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر جین صاحب اُردو کو مسلمانوں سے جوڑ کر اِس کی ہندوستانی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔اُردو زبان کی ہندوستانی حقیقت کچھ یوں ہے کہ اِس زبان کی تشکیل و ترویج میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

دوسرے مقامی لوگوں نے بھی اپنا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ یہی مؤقف مرزا خلیل احمد بیگ کا بھی ہے۔ اُردو ادب پر بات کرتے ہوئے گیان چند جین یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اِس نے ہندوؤں کے متعلق اہانت آمیز رویہ ظاہر کیا ہے۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے اُردو ادب پر مذہبی جارحیت کے ساتھ ساتھ جنسی جارحیت کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اُنھوں نے ہندی ادب کے مختلف موضوعات اور اِس میں پیش کردہ مسلمانوں سے متعلق اہانت آمیز رویے کو نظر انداز کرتے ہوئے واضح طور پر تعصب سے کام لیا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کی اِس طرح کی استثنائی مثالیں کونوں کھدروں سے تلاش کر کے پیش کی جا سکتی ہیں مگر ایسی مثالوں کا اطلاق اُس زبان کے پورے ادب پر کرنا کسی بھی طور پر عقل مندی کی نشانی نہیں۔ یہی غیر دانش مندانہ کام خوب مہارت سے گیان چند جین نے اُردو زبان و ادب کے بارے میں برتا ہے جسے مرزا خلیل احمد بیگ نے خوب تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ہندوستان میں اُردو ادب کے نمایندہ ادیبوں کا رجحان عام طور پر لبرل اور سیکولر رہا ہے مگر گیان چند جین نے یہاں بھی فرقہ وارانہ اپروچ کو استعمال کرتے ہوئے اُردو ادیبوں کو ہندو مسلم طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے اُردو زبان کو ہندوستان کی تقسیم کا ذمے دار تک ٹھہرانے میں کوئی کسر روا نہ رکھی جو قطعاً اُن کے ذہنی تعصب کی علامت ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ بڑے سے بڑے ہندو ادیب کو خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اُردو دنیا میں جینا ہے تو مسلمانوں کی خوشنودی پر نظر رکھے۔[۳۱] ہندوستان میں بہت سے اعلیٰ پائے کے ہندو ادیب، محقق اور شاعر گزرے ہیں مگر اُردو دنیا میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے اُنھیں کبھی بھی کسی مسلمان کی خوشنودی حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور نہ ہی ایسا کر کے ادبی دنیا میں مقام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ اِس ضمن میں لکھتے ہیں:

> غالباً اِس بات سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جہاں تک اُردو کا تعلق ہے، ماضی قریب میں ہندوؤں میں فراق گورکھ پوری سے بڑا شاعر، کرشن چندر سے بڑا فکشن نگار اور مالک رام سے بڑا محقق نہیں گزرا۔ کیا جین صاحب بتا سکتے ہیں کہ اِن ہندو ادیبوں کو اُردو دنیا میں جو شہرت، عزت، نام مرتبہ اور اعزاز حاصل ہوا، اِس کے لیے اُنھوں نے کن مسلمانوں کی خوشنودی پر نظر رکھی تھی یا آج کے ہندو ادیب اُردو دنیا میں اپنا مقام بنانے کے لیے کن مسلمانوں کی خوشنودی میں لگے ہوئے ہیں یا خود اُن کی (گیان چند کی) اُردو دنیا میں آج جو قدر و منزلت ہے وہ کن مسلمانوں کی خوشنودی یا خوشامد کا ثمرہ ہے؟[۳۲]

ادبی تنقید کے لسانی مضمرات کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے اکیس مضامین پر مشتمل کتاب

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے ۲۰۱۲ء میں شائع کی۔ اِس مجموعہ میں شامل مضامین میں لسانیات، اُسلوبیاتی تنقید، نشانیات، نئی تھیوری، ادبی تنقید، تانیثی تنقید، ساختیات، پس ساختیات، اور مابعد جدیدیت جیسے مباحث نمایاں نظر آتے ہیں۔ مضامین کے موضوعات میں ادبی تنقید کے لسانی مضمرات، معاصر اُردو افسانہ: زبان اور اُسلوب، دِوّیہ بانی: ایک دلت بیانیہ، تانیثیت، تانیثی تنقید، مابعد جدیدیت: ایک محاکمہ، ساختیاتی و پس ساختیاتی فکریات اور گوپی چند نارنگ، مابعد جدیدیت کا نیا چیلنج اور وہاب اشرفی، معاصر تنقیدی روّیے اور ناصر عباس نیر، اُسلوبیات کی افہام وتفہیم، اُسلوبیاتی تنقید اور مغنی تبسم، فیضؔ کی نظم تنہائی: ایک اُسلوبیاتی مطالعہ، غالبؔ: ایک سادہ بیان شاعر، شبلی کا تصورِ لفظ ومعنی: شعرالعجم کے حوالے سے، فراقؔ گورکھ پوری کی سنگھار رس شاعری: روپ کی رباعیوں کا تجزیاتی مطالعہ، آنند نرائن ملاّ کے نثری افکار، رشید احمد صدیقی کی آخری تحریر عزیزانِ علی گڑھ کا تنقیدی جائزہ، مسعود حسین خاں کا نظریہ شعر اور شعری محرکات و اکتسابات: ایک گفتگو کی یادداشت، اقبالؔ کی نظری وعملی شعریات: اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ، نشاطِ آبلہ پائی کے سفرنامے، جاتے جاتے: ایک مطالعہ شامل ہیں۔

''اُسلوبیاتی تنقید'': نظری بنیادی اور تجزیے کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے اکتیس لسانیاتی و اُسلوبیاتی مضامین پر مشتمل کتاب ۲۰۱۴ء میں سامنے آئی جسے قومی کونسل برائے فروغِ اُردو، نئی دہلی نے شائع کیا۔ اِس کتاب کو اُنھوں نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں ادبی تنقید اور لسانیات و اُسلوبیات، نظریہ اُسلوب اور اُسلوبیاتی تنقید، اُسلوبیاتی نظریہ ساز، نثری اُسلوبیاتی تجزیے، شعری اُسلوبیاتی تجزیے اور ادبی اُسلوبیات شامل ہیں۔ اِس کتاب میں شامل ستائیس مضامین ایسے ہیں جو اُن کی پہلے سے شائع شدہ کتابوں میں موجود ہیں۔ اِن میں سے سات مضامین ''زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات'' (۱۹۸۳ء)، تیرہ مضامین ''تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید'' (۲۰۰۵ء) اور سات مضامین ''ادبی تنقید کے لسانی مضمرات'' (۲۰۱۲ء) میں شامل ہیں۔ صرف تین نئے مضامین اِس مجموعے میں شامل کیے گئے ہیں جبکہ ایک مضمون توضیح یافتہ ہے جن میں نقدِ ادب اور زبان و اُسلوب کے مسائل، شعری اُسلوب کا صوتیاتی مطالعہ، اور متن کی اُسلوبیاتی قرآت: اقبالؔ کی نظم ''ایک شام'' کے حوالے سے شامل ہیں۔

اپنے استاد پروفیسر مسعود حسین خاں (۱۹۱۹ء تا ۲۰۱۰ء) کی شخصیت اور ادبی ولسانی خدمات کے تناظر میں تحریر کردہ مرزا خلیل احمد بیگ کی کتاب ''مسعود حسین خاں: احوال و آثار'' کے عنوان سے ۲۰۱۵ء میں منظرِ عام پر آئی جسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے شائع کیا۔ اپنی اِس کتاب کو اُنھوں نے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں مسعود حسین خاں کی شخصیت وسوانح، اُن کی شاعری، تنقید نگاری، لسانیاتی تحقیق، ادبی تحقیق و تدوینِ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

متن، اور تصنیفات و تالیفات: توضیحی جائزہ شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں پروفیسر مسعود حسین خاں کی تحریر کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب مرزا صاحب کی جانب سے اپنے استاد کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے مترادف ہے جس کا اعتراف اُنھوں نے خود اِسی کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے۔[۳۳] مرزا خلیل احمد بیگ نے مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جن میں نظریہ آغازِ زبانِ اُردو، نظریہ عروضی صوتیات، اُردو صوتیوں کا تعین اور اُن کی درجہ بندی، اور دیگر لسانیاتی مسائل شامل ہیں۔ پروفیسر مسعود حسین خاں کے ساتھ مرزا خلیل احمد بیگ کا تعلق بنیادی طور پر چار جہتیں رکھتا ہے جن میں پہلی جہت مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ میں بحیثیت استاد، دوسری علی گڑھ میں ہی بحیثیت نگرانِ مقالہ، تیسری جہت بھی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ہی بحیثیت ساتھی (Colleague) پروفیسر اور چوتھی خاں صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد بحیثیت ایک بزرگ دوست شامل ہیں۔

''مکاتیبِ مسعود'' کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ نے مسعود حسین خاں کے اُن خطوط کو مرتب کیا جو اُنھوں نے بیگ صاحب کے نام تحریر کیے تھے۔ خطوط کا یہ مجموعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا۔ یہ خطوط ۱۹۷۲ء تا ۲۰۰۷ء تک پینتیس سال کے عرصہ میں تحریر کیے گئے۔ اِن خطوط کی اہمیت اِس اعتبار سے نمایاں ہے کہ اِن کی بدولت مرزا صاحب اور خاں صاحب دونوں کی زندگی سے متعلق کئی در پڑھنے والے پر کھلتے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مسعود حسین خاں کی شخصیت اور اُن کی خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں شامل کل مکاتیب کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔ حواشی نہایت خوب صورتی سے اِن خطوط کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ اِن خطوط میں جن اشخاص کا ذکر مسعود حسین خاں نے کیا اُن کا اشاریہ مرزا خلیل احمد بیگ نے کتاب کے آخر میں پیش کر دیا ہے۔

''لسانی مسائل و مباحث'' کے عنوان سے مرزا خلیل احمد بیگ کے پندرہ لسانی مضامین کا مجموعہ ۲۰۱۷ء میں منظرِ عام پر آیا جسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے شائع کیا۔ اُن کے مذکورہ لسانی مضامین کے نمایاں مباحث میں ''اُردو کا نقطہ آغاز: آغازِ اُردو کے ایک نظریے کی تشکیل''، ''اُردو زبان کا تاریخی تناظر''، ''اُردو کی کھڑی بولی بنیاد''، ''کھڑی بولی اور اہلِ ہندی کا تاریخی جائزہ''، ''مسعود سعد سلمان کے ہندوی دیوان کے قدیم ترین حوالے''، ''اُردو زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں''، ''اُردو قواعد نویسی کی روایت''، ''کیٹیلر کی ہندوستانی گرامر کے قلمی نسخے''، ''پانی اور اُس کی اشٹادھیا''، ''سید محی الدین قادری زور کا نظریہ آغازِ زبانِ اُردو''، ''مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق''، ''گوپی چند نارنگ کی لسانیاتی فکر و بصیرت''، ''اُردو زبان کی پہلی سلینگ لغت''، ''اُردو۔انگریزی لغتِ مجتہدی'' اور ''اُردو زبان کی تعلیم و تدریس: مسائل و امکانات'' شامل ہیں۔ اِس کتاب میں شامل ایک مضمون اُردو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زبان کی سماجی اور تہذیبی جڑیں اُن کی مرتبہ کتاب ''اُردو زبان کی تاریخ'' میں بھی شامل ہے۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے نہ صرف مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق سے بھرپور استفادہ کیا ہے بلکہ اُن کے اُردو زبان کی ابتدا سے متعلق نظریے کی توسیع بھی پیش کی ہے۔ اُن کی اُردو زبان کے حوالے سے یہ لسانیاتی کاوش قابلِ ستایش ہے۔

مرزا خلیل احمد بیگ اپنے مضمون ''اُردو کا نقطہ آغاز (آغازِ اُردو کے ایک نئے نظریے کی تشکیل)'' میں خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اُردو ایک جدید ہند آریائی زبان ہے جس کی تاریخ کا تعلق آریوں کی ہندوستان آمد (۱۵۰۰ ق م) سے ہے۔ آریوں کی ہندوستان آمد کے بعد سنسکرت کا ظہور دو طرح سے ہوا۔ ویدک سنسکرت جس میں وید تخلیق ہوئے اور کلاسیکی سنسکرت جس میں ادب تخلیق ہوا۔ ہند آریائی کے وسطی دور (۵۰۰ ق م) میں سنسکرت جب جمود کا شکار ہوئی تو اِس کی جگہ پراکرتوں نے لے لی جنھوں نے سنسکرت سے ہی جنم لیا۔ پراکرتوں نے جب ادبی شکل اختیار کر لی تو عوام الناس نے دوبارہ سادہ زبان کی طرف رجوع کیا جس سے اپ بھرنشوں کا ظہور ہوا (۶۰۰ء) جنھوں نے پراکرتوں سے ہی جنم لیا۔ چار صدیوں تک یہی اپ بھرنشیں پھلتی پھولتی رہیں جس کے بعد جدید ہند آریائی بولیوں اور زبانوں کا آغاز ہوا (۱۰۰۰ء)۔ مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک اُردو کے اُبھار کا زمانہ بھی یہی ہے۔[۳۴] اُردو کے آغاز و ارتقا کا تعلق مسلمانوں کی ہندوستان آمد سے نہایت گہرا ہے مگر وہ اُردو کو کہیں باہر سے نہیں لائے بلکہ یہ زبان ہندوستان کی ہی پیداوار ہے۔ اُردو کے ارتقا میں تیزی مسلمانوں کے دہلی آمد (۱۱۹۳ء) کے بعد سے ہوئی مگر اِس بات سے قطعاً یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ اُردو مسلمانوں کی پیدا کردہ زبان ہے۔ اِس ضمن میں بیگ صاحب نے ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کی اِس رائے سے استفادہ کیا ہے:

> اگر ترک مسلمانوں نے ہندوستان فتح نہ کیا ہوتا تب بھی جدید ہند آریائی زبانوں کا رسمی طور پر آغاز ہو جاتا لیکن اِن کے ادبی ارتقا میں دو ایک صدی کی ضرور تاخیر ہو جاتی۔[۳۵]

پروفیسر مسعود حسین خاں اُردو کے آغاز کے سلسلہ میں کھڑی بولی کو اہمیت دیتے ہیں اور اُن کے نزدیک اُردو کا نقطہ آغاز ۱۱۹۳ء میں مسلمانوں کا داخلہ دہلی ہے۔[۳۶] مگر کھڑی بولی کا آغاز ۱۰۰۰ء میں دوسری جدید ہند آریائی زبانوں کی طرح ہوا۔ دوسری طرف مرزا خلیل احمد بیگ کے نزدیک جب لسانیاتی نقطہ نظر سے یہ ثابت ہو چکا کہ کھڑی بولی ہی اُردو ہے تو کھڑی بولی کے آغاز کو اُردو کا آغاز تسلیم کر لینے میں کیا مشکل درپیش ہے؟[۳۷] اُردو کا قواعدی ڈھانچا کھڑی بولی کا ہی ہے جس میں عربی و فارسی الفاظ کی شمولیت مسلمانوں کے باعث ممکن ہوا۔ آغازِ اُردو کے نئے نظریے کے تحت مرزا خلیل احمد بیگ نے اُردو کے ارتقا کے چار ادوار بیان کیے ہیں جن میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ابتدائی قدیم دور (۱۰۰۰ء تا ۱۲۰۰ء)، کلاسیکی دور (۱۲۰۰ء تا ۱۷۰۰ء)، معیاری اُردو (۱۷۰۰ء تا ۱۸۵۰ء) اور جدید اُردو (۱۸۵۰ء تا حال) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اِس نظریے کو وہ مسعود حسین خاں کے پیش کردہ نظریے کی توسیع قرار دیتے ہوئے کچھ یوں لکھتے ہیں:

> آغازِ اُردو کا یہ نیا نظریہ مسعود حسین خاں کے نظریہ آغازِ اُردو کی تردید نہیں بلکہ اِس کی توسیع ہے۔ میرے اور مسعود حسین خاں کے نظریے میں فرق صرف اتنا ہے کہ میں اُردو کا آغاز ۱۰۰۰ سنہِ عیسویں کے فوراً بعد سے مانتا ہوں اور مسعود حسین خاں ۱۱۹۳ء سے۔ مسعود حسین خاں آغازِ اُردو کے سلسلے میں فتحِ دہلی (۱۱۹۳ء) کو بے حد اہمیت دیتے ہیں جبکہ میں دہلی سلطنت کے قیام (۱۲۰۶ء) کو اُردو کے ارتقا کی دوسری منزل قرار دیتا ہوں۔ میرے نزدیک اُردو اُس وقت معرضِ وجود میں آتی ہے جب یہ کھڑی بولی کی حیثیت سے اپنی شناخت قایم کرتی ہے۔ مسعود حسین خاں کے نزدیک اُردو کی پیدایش اُس وقت عمل میں آتی ہے جب نواحِ دہلی کی بولیوں میں عربی، فارسی کے لسانی اثرات نفوذ کر جاتے ہیں۔ مسعود حسین خاں ۱۱۹۳ء میں مسلمانوں کی دہلی آمد کو اُردو کی پیدایش کا اصل ذمے دار ٹھہراتے ہیں جب کہ میں ۱۰۰۰ سنہِ عیسویں میں شمالی ہندوستان میں رونما ہونے والی سیاسی، تہذیبی اور لسانی تبدیلیوں کو اُردو کے معرضِ وجود میں آنے کا ذمے دار تصور کرتا ہوں۔ مسعود حسین خاں جسے 'قدیم ہندی' کہتے ہیں (یعنی دیوناگری رسمِ خط میں لکھی جانے والی معاصر کھڑی بولی ہندی کا قدیم روپ)، میں اُسے قدیم کھڑی بولی یا ابتدائی قدیم اُردو قرار دیتا ہوں۔ میرے اور مسعود حسین خاں کے اُردو کے آغاز کے نظریوں میں بنیادی فرق یہی ہے۔(۳۸)

مرزا خلیل احمد بیگ اکیسویں صدی کے ماہرینِ لسانیات میں اپنے جدید لسانی طرزِ فکر کے باعث بلند مقام رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی لسانی تحقیق کا آغاز پروفیسر مسعود حسین خاں کی نگرانی میں کیا۔ اُنھوں نے لسانیات کی باضابطہ تعلیم حاصل کی اور ایک طویل عرصہ تک اِس کی تدریس سے منسلک رہے۔ اُن کے اُردو زبان کے آغاز سے متعلق تصورات مسعود حسین خاں کی لسانیاتی تحقیق پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں مگر وہ اُن سے ہٹ کر اُردو کے آغاز کو کھڑی بولی کے آغاز سے شروع کرتے ہیں۔ کھڑی بولی کی ابتدا ہی دراصل اُن کے خیال میں اُردو زبان کی ابتدا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ جدید لسانی مباحث میں اُنھوں نے زبان کی سماجی اور تہذیبی بنیادیں، اُردو زبان کی تعلیم و تدریس، اُسلوبیاتی تنقید، ادبی تنقید کے لسانی مضمرات، اُردو قواعد: تاریخ اور ساخت، نفسیاتی لسانیات اور زبان کا حصول، اُردو اور ہندی کا سماجی و لسانیاتی تناظر جیسے موضوعات پر نہایت سادہ بیانی سے اپنے موقف کو پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے جدید لسانی اُصولوں کو اپنی تحریروں میں خصوصی طور پر برتا ہے۔ گیان چند جین کی متنازعہ کتاب ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب کے ردِعمل میں مرزا خلیل احمد بیگ کی تحریر کردہ کتاب ایک بھاشا۔ جو مسترد کر دی گئیا یک شاہ کار کتاب ہے۔ اکیسویں صدی کے موجودہ تناظر میں اُن کی لسانی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔

حواشی

۱۔ ''اُردو کی لسانی تشکیل'' کا جدید ایڈیشن جو ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی، پاکستان سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا، اُس کے فلیپ پر مرزا خلیل احمد بیگ کی تاریخ پیدایش یکم جنوری ۱۹۴۸ء درج ہے۔ راقم نے جب مرزا خلیل احمد بیگ جو آج کل بروک فیلڈ، امریکا میں مقیم ہیں، سے اُن کی تاریخ پیدایش کی تصدیق کے سلسلہ میں بذریعہ واٹس ایپ رابطہ کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ مذکورہ کتاب کے پاکستانی ایڈیشن پر اُن کی تاریخ پیدایش کا اندراج غلط ہے جب کہ درست تاریخ پیدایش یکم جنوری ۱۹۴۵ء ہے۔

۲۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات'' (علی گڑھ: ادارہ زبان و اُسلوب، ۱۹۸۳ء)، ص ۹

۳۔ ایضاً، ص ۳۹

۴۔ ایضاً، ص ۴۰

۵۔ ایضاً، ص ۴۱۔۴۲

۶۔ ایضاً، ص ۶۸

۷۔ گوپی چند نارنگ، ''ادبی تنقید اور اُسلوبیات'' (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۷

۸۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات''، محولہ بالا، ص ۷۰

۹۔ ایضاً، ص ۹۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۱۳۔ ونفرڈ، پی، لہمن (Winfred, P. Lehmann)، ''تاریخی لسانیات: ایک تعارف'' (Histoical Linguistics: An Introduction)، (نیو یارک: رٹلیج، ۱۹۹۲ء)، ص ۶۵، اشاعت سوم۔

۱۴۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''اُردو کی لسانی تشکیل'' (کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۸

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۷۔ گیان چند جین، ''عام لسانیات'' (نئی دہلی: ترقیِ اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء)، ص ۸۴۲
۱۸۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''اُردو کی لسانی تشکیل''، محولہ بالا، ص ۳۰۔۳۱
۱۹۔ ایضاً، ص ۳۳
۲۰۔ ایضاً، ص ۴۹
۲۱۔ ایضاً، ص ۴۳
۲۲۔ شوکت سبزواری، ''داستانِ زبانِ اُردو'' (دہلی: چمن بک ڈپو، ۱۹۶۱ء)، ص ۹۴
۲۳۔ ایضاً، ص ۹۹
۲۴۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''اُردو کی لسانی تشکیل''، محولہ بالا، ص ۵۵
۲۵۔ گیان چند جین، ''اُردو کے آغاز کے نظریے''، مشمولہ ''ہندوستانی زبان''، بمبئی، شمارہ (جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۷ء)، ص ۷۔
۲۶۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''اُردو کی لسانی تشکیل''، محولہ بالا، ص ۷۵
۲۷۔ ایضاً، ''آیئے اُردو سیکھیں''، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۶، اشاعت سوم۔
۲۸۔ ایضاً، ''پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی'' (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۹ء)، ص ۷۵
۲۹۔ ایضاً، ''ایک بھاشا: جو مسترد کر دی گئی'' (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۱
۳۰۔ ایضاً، ص ۲۴
۳۱۔ گیان چند جین، ''ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب'' (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۶
۳۲۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''ایک بھاشا: جو مسترد کر دی گئی''، محولہ بالا، ص ۳۰
۳۳۔ ایضاً، ''مسعود حسین خاں: احوال و آثار'' (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص VII
۳۴۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''لسانی مسائل و مباحث'' (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۷ء)، ص ۲
۳۵۔ سنیتی کمار چٹرجی، *Indo-Aryan and Hindi*، (کلکتہ: فرما کے ایل مکھو پادھیائے، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۰۴، اشاعتِ دوم
۳۶۔ مسعود حسین خاں، ''اُردو زبان: تاریخ، تقدیر، تشکیل'' (علی گڑھ: شعبہ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۸ء)، ص ۵
۳۷۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ''لسانی مسائل و مباحث''، محولہ بالا، ص ۴
۳۸۔ ایضاً، ص ۱۸

مآخذ

۱۔ پاریکھ، رؤف، ''لسانیاتی مباحث''، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء
۲۔ جین، گیان چند، ''ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء
۳۔ _____، ''عام لسانیات''، نئی دہلی: ترقیِ اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء
۴۔ چٹرجی، سنیتی کمار (Chatterji, Suniti Kumar)، ''ہند آریائی اور ہندی'' (Indo-Aryan and Hindi)، کلکتہ: فرما کے ایل مکھو پادھیائے، ۱۹۶۰ء، اشاعتِ دوم
۸۔ خلیل احمد بیگ، مرزا، ''ادبی تنقید کے لسانی مضمرات''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۲ء
۵۔ خاں، مسعود حسین، ''اُردو زبان: تاریخ، تقدیر، تشکیل''، علی گڑھ: شعبہ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۸ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۔ _____، مقدمہ، ''تاریخِ زبانِ اُردو''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۷ء، اشاعت ہفتم۔
۷۔ سبزواری، شوکت، ''داستانِ زبانِ اُردو''، دہلی: چمن بک ڈپو، ۱۹۶۱ء
۹۔ _____ (مرتب)، ''اُردو زبان کی تاریخ''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۵ء
۱۰۔ _____، ''اُردو سابقے اور لاحقے''، سری نگر: جامع بک ڈپو، ۱۹۸۵ء
۱۱۔ _____، ''اُردو کی لسانی تشکیل''، علی گڑھ: فیصل وِلا، سرسید نگر، ۱۹۸۵ء
۱۲۔ _____، ''اُردو کی لسانی تشکیل''، کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۱۵ء
۱۳۔ _____، (مترجم)، ''اُردو لفظ کا صوتیاتی اور تجزصوتیاتی مطالعہ''، علی گڑھ: شعبہ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۸۶ء
۱۴۔ _____، ''اُسلوبیاتی تنقید: نظری بنیادیں اور تجزیے''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ۲۰۱۴ء
۱۵۔ _____، ''ایک بھاشا: جو مسترد کر دی گئی''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء
۱۶۔ _____، ''آیئے اُردو سیکھیں''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۸ء، اشاعتِ سوم
۱۷۔ _____، (مرتب)، ''پریم چند: شخصیت اور فن''، علی گڑھ: جامعہ اُردو، ۱۹۹۷ء
۱۸۔ _____، ''پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی''، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۱۹۸۹ء
۱۹۔ _____، ''تنقید اور اُسلوبیاتی تنقید''، علی گڑھ: شعبہ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۲۰۰۵ء
۲۰۔ _____، ''زبان، اُسلوب اور اُسلوبیات''، علی گڑھ: ادارہ زبان و اُسلوب، ۱۹۸۳ء
۲۱۔ _____، ''لسانی مسائل و مباحث''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۷ء
۲۲۔ _____، ''لسانی تناظر''، نئی دہلی: باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء
۲۳۔ _____، ''مسعود حسین خاں: احوال و آثار''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۵ء
۲۴۔ _____، (مرتب)، ''مکاتیبِ مسعود''، دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۷ء
۲۵۔ _____، (مرتب)، ''نذرِ مسعود''، علی گڑھ: تعلیمی مرکز، ۱۹۸۹ء
۲۶۔ نارنگ، گوپی چند، ''ادبی تنقید اور اُسلوبیات''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء

رسائل و جرائد

۱۔ ''ہندوستانی زبان''، بمبئی، جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۷ء